Fikr-o-Nasar (Islamabad) 13:11 (1976)

ادارۂ تحقیقاتِ اسلامی کے اغراض و مقاصد

تاریخی و تحلیلی جائزہ

محمد خالد مسعود

ادارۂ تحقیقات اسلامی کے قیام کی بات قیامِ پاکستان کے چار ہی سال بعد ۱۹۵۱ء میں شروع ہوگئی تھی۔ اور اس وقت سے آج تک اس پچیس سال کے عرصے میں اس کے اغراض و مقاصد کے بارے میں مختلف انداز اور نقطہ ہائے نظر سے گفتگو ہوتی رہی ہے۔ درحقیقت ادارے کے اغراض و مقاصد کی تاریخ کا نظریۂ پاکستان کی تاریخ اور ارتقا سے بہت گہرا تعلق ہے۔ سلطنتِ مغلیہ کے زوال اور مغربی قوموں کی برصغیر میں آمد اور بالآخر برطانوی استعمار کے تسلّط کے بعد یہ سوال بہت شدّت سے اُٹھا کہ ان نئے حالات میں مسلمان اپنی ثقافت و معاشرت کو اسلامی خطوط پر کس طرح تشکیل دے سکتے ہیں۔ اس کے جواب میں کئی رجحانات اُبھرے۔ ایک رجحان قدامت پسندی کا تھا جو ان معاشرتی اقدار کی حفاظت پر زور دیتا تھا جو تاریخِ اسلامی کے قرونِ وسطیٰ بالخصوص مغلیہ دور میں تشکیل پا چکی تھیں۔ ایک رجحان تجدّد پسندی کا تھا۔ جو نئے تقاضوں کو ایک چیلنج سمجھ کر ایک نئے معاشرے کی تشکیل کو ضروری سمجھتا تھا۔ دوسرے رجحان نے بتدریج نظریۂ پاکستان کو جنم دیا اور ایک تحریک کی صورت اختیار کر کے بالآخر ایک علیحدہ ریاست کے قیام پر منتج ہوا۔ اس ریاست کے قیام کا مقصد اسلامی تعلیمات کی روشنی میں ایک نئے معاشرے کی تشکیل تھی۔

پاکستان کے قیام کے دو سال بعد پاکستان کی ریاست کے اغراض و مقاصد کا تعین کرنے کے لئے قراردادِ مقاصد منظور کی گئی جو بعد کے مختلف آئینوں میں دیباچے کے طور پر شامل رہی۔ ان مقاصد میں سے دو یہ تھے:

۱ - جمہوریت، حرّیت، مساوات، رواداری اور سماجی انصاف، کے اصولوں کو جیسا کہ اسلام نے وضاحت کی ہے عملی جامہ پہنایا جائے گا۔ (دفعہ ۲)

۲ - قرآن و سنّت میں جن اسلامی تعلیمات و مقتضیات کا بیان ہے مسلمانوں کو ان کے مطابق زندگی بسر کرنے کے قابل بنایا جائے گا۔ (دفعہ ۲)

یہی دو دفعات آگے چل کر ادارۂ تحقیقاتِ اسلامی کے قیام کی مقتضی ہوئیں۔ دفعہ ۲ میں مذکورہ پانچ اسلامی اقدار کی عملی تعبیرات اور قرآن و سنّت کی روشنی میں اسلامی تعلیمات اور تقاضوں کی وضاحت کے لئے ایک تحقیقی ادارے کا وجود لازمی تھا۔

ادارۂ تحقیقاتِ اسلامی کے اغراض و مقاصد کی نشاندہی میں بھی ان دونوں دفعات کو بنیادی حیثیت حاصل رہی۔ تاہم ان کی تعبیر ملک کے سیاسی حالات اور برسرِ اقتدار سیاسی پارٹیوں کے نقطۂ نظر کے مطابق بدلتی رہی۔ مجموعی طور پر اس تمام عرصے کی مختلف تعبیریں انہی دو رجحانات کی کشمکش کی آئینہ دار رہی ہیں جن کا ہم اوپر ذکر کر چکے ہیں۔ قدامت پسند نقطۂ نظر نے اس بات پر زور دیا کہ اسلامی تعلیمات و مقتضیات قرونِ وسطیٰ میں متعین ہو چکی ہیں۔ ان میں تبدیلی کا نہ امکان ہے نہ ضرورت۔ اس لئے ادارے کا کام تحقیق نہیں بلکہ تدوین و توضیح ہے۔

تجدّد پسند نقطۂ نظر نے اس کے برعکس نئے تقاضوں اور مسائل سے عہدہ برآ ہونے پر زور دیا ہے۔ ان کے نزدیک نئے حالات میں معاشرہ، اس کا ڈھانچہ اور اس کی اقدار بنیادی تبدیلیوں سے گزر رہے ہیں اس لئے قرونِ وسطیٰ کی اقدار اور روایات کی حفاظت پر زور دینے کی بجائے اس بات کی ضرورت ہے کہ نئے تقاضوں کے جواب میں اسلامی تعلیمات کی نئی تعبیریں پیش کی جائیں تاکہ پاکستان میں ابھرتے ہوئے نئے معاشرے کی تشکیل صحیح اسلامی خطوط پر ہو سکے۔

ادارۂ تحقیقاتِ اسلامی کے اغراض و مقاصد کے تعیّن کے پچیس سال کی تاریخ دلچسپ بھی ہے اور سبق آموز بھی۔ ہم اس مختصر مضمون میں تفصیلات میں تو نہیں جا سکتے، البتہ مختلف ادوار میں ادارے کے اغراض و مقاصد کا جس طرح تعیّن کیا گیا ذیل کی سطور میں تاریخی و تحلیلی جائزہ کے طور پر ان کا تجزیہ پیش کرتے ہیں

اسلامی طرزِ زندگی کی ترویج کے لئے اعلیٰ درجے کی تحقیقات

(۱۹۵۱ء — ۱۹۵۲ء)

پاکستان کی دستور ساز اسمبلی کے ایک ممتاز رکن چوہدری معظم حسین (ظہیر الدین لال میاں) نے اس ادارے کی ضرورت کو سب سے پہلے محسوس کیا۔ انہوں نے نوابزادہ لیاقت علی خان کو ۱۹۵۱ء میں

اس ادارہ کے قیام کی تجویز پیش کی۔ چوہدری صاحب نے اپنی تقریر میں بار بار اس بات کا اعادہ کیا کہ انہیں اس کام پر اللہ تعالیٰ نے مامور کیا ہے۔ آخر یہ تجویز ایک باقاعدہ تحریک کی شکل میں ۱۹ر اپریل ۱۹۵۲ء کو آئین ساز اسمبلی میں پیش ہوئی۔ اس تحریک کی تائید و مخالفت میں جو تقریریں ہوئیں ان سے یہ بات بالکل واضح ہو کر سامنے آتی ہے کہ اکثر فاضل اراکین اسمبلی کے ذہنوں میں تحقیق کا مفہوم اس سے زیادہ کچھ نہیں تھا کہ اسلامی تعلیمات میں تمام مسائل کے حل موجود ہیں، ادارے کا کام صرف یہ ہوگا کہ ان کی نشان دہی کر دے۔ قرارداد کا متن درج ذیل ہے:۔

> ”یہ اسمبلی قرار دیتی ہے کہ ایک مرکزی ادارہ قائم کیا جائے جس کا نام ”تحقیقاتِ اسلامی کا ادارہ“ ہو۔ اپنے مختلف شعبوں اور شاخوں کے ساتھ اسے کراچی میں رکھا جائے۔ اس ادارے میں انسانی علوم و فنون کے مختلف میدانوں یعنی سماجی، اقتصادی، تاریخی، ثقافتی، آئینی، قانونی وغیرہ شعبوں میں تحقیقات کی جائیں۔ اور اسلام اور اس کے متعلقہ موضوعات و مسائل پر اعلیٰ درجے کی تصنیفات تیار کی جائیں۔“
>
> (مباحث دستور ساز اسمبلی، جلد نمبر ۱۔ شمارہ نمبر ۲۰ صفحہ ۱۲۹۳)

قرارداد کے متن سے ”تحقیقات“ کا مقصد واضح نہیں ہوتا لیکن چوہدری صاحب کی تقریر کے ساتھ ملا کر اسے پڑھا جائے تو بات واضح ہو جاتی ہے۔

چوہدری صاحب نے اپنی تقریر میں ادارے کے قیام کو قراردادِ مقاصد پر عملدرآمد کے سلسلے کی ایک کڑی قرار دیا۔ ان کے نزدیک، پاکستان کے قیام کے بعد اب فکری رہنمائی کے لئے مغرب کی بجائے قرآن و سنت کی طرف رجوع کرنا ضروری ہو گیا تھا۔ اسلامی طرزِ زندگی کی ترویج کے لئے اسلامی تعلیم ضروری ہو گئی تھی اور اس کے لئے اسلامی تحقیقات کی ضرورت تھی اور ان تحقیقات کا مطمحِ نظر پاکستان میں اسلامی طرزِ زندگی کی ترویج کے لئے فکری رہنمائی مہیا کرنا تھا۔ فکری رہنمائی کی مختلف صورتیں ہو سکتی ہیں۔ قرارداد نے ان میں سے ایک کی نشاندہی کی تھی کہ اسلام کے بارے میں اعلیٰ درجے کی تصنیفات تیار کی جائیں۔ ”اعلیٰ درجے“ کی تحقیق سے بظاہر معلوم ہوتا تھا کہ ان تصنیفات کے مخاطب پاکستان کے مفکر، دانشور اور یونیورسٹیوں کے لوگ ہوں گے اور یہ کہ ان کی سطح عوامی نہیں ہو گی۔ لیکن آئندہ سالوں میں قرارداد کا جو مفہوم لیا گیا وہ اس سے مختلف تھا۔

امر بالمعروف و نہی عن المنکر کی تنظیم

(۱۹۵۳ء — ۱۹۵۵ء)

قرارداد مقاصد کے مطابق آئین کی تیاری کے لئے دستور ساز اسمبلی نے ایک بنیادی اصولوں کی کمیٹی ۱۹۴۹ء میں قائم کر دی تھی۔ اس کمیٹی نے قرارداد مقاصد کی اسلامی دفعات کو عملی جامہ پہنانے کے لئے ایک کمیٹی تعلیماتِ اسلامیہ کے نام سے قائم کی جس کے مشورے سے پہلا ڈرافٹ آئین ۱۹۵۰ء میں پیش کیا گیا۔ علماء نے اس آئین کی بے حد مخالفت کی چنانچہ ایک اور ڈرافٹ آئین ۱۹۵۲ء میں پیش کیا گیا۔ اس میں اسلامی دفعات بہت نمایاں تھیں اور ان کو عملی جامہ پہنانے کے لئے ڈرافٹ میں علماء کے بورڈ کے قیام کی تجویز تھی۔ اس ڈرافٹ کو علمائے نے بنیادی طور پر پسند کیا۔ تاہم تفصیلات میں انہیں اب بھی اختلاف رہا۔

اس ڈرافٹ آئین میں اسلامی طرزِ زندگی کی ترویج کے لئے پانچ سفارشات کی گئیں جن میں شراب، جوا، زناکاری اور ربا کے خلافِ قانون قرار دیئے جانے کے علاوہ زکوٰۃ، اوقاف اور مساجد کی تنظیم اور اسلامی اور اخلاقی اقدار کی ترویج و اشاعت کے انتظام کی سفارش کی گئی تھی۔ اس سلسلے میں ایک اور قدم یہ اُٹھایا گیا تھا کہ پاکستان کے مروّجہ قوانین کو اسلامی اصولوں کے مطابق ڈھالنے کا فیصلہ کیا گیا اور یہ معلوم کرنے کے لئے کہ اسمبلی میں پیش ہونے والا بل اسلام کے مطابق ہے (قرآن و سنّت کے مخالف نہیں ہے) اسلامی قانون کے ماہرین کا ایک بورڈ قائم کرنے کی سفارش کی گئی۔ اس ضمن میں تیسرا قدم یہ اُٹھایا گیا کہ اسلامی تعلیمات کی نشر و اشاعت اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے لئے ایک تنظیم کے قیام کا فیصلہ کیا گیا۔ "امر بالمعروف اور نہی عن المنکر" کی یہ تنظیم اسی ادارے کا قائم مقام تھی جس کے لئے دستور ساز اسمبلی نے قرارداد منظور کی تھی بظاہر اسمبلی کی قرارداد اور ڈرافٹ آئین کی اس سفارش میں مماثلت کم نظر آتی ہے لیکن یہ دراصل ایک ہی غرض و مقصد کی تعبیر میں کا اختلاف ہے۔ ایک کے نزدیک اسلامی طرزِ زندگی کے بارے میں فکری رہنمائی کے لئے تحقیقی ادارے کی ضرورت تھی، دوسرے کے نزدیک تحقیق کی بجائے معروف اور معلوم اقدار کی اشاعت اور ترویج کے لئے ایک تنظیم کی ضرورت تھی چنانچہ اسی تعبیری اختلاف کی فضا میں ادارے کا قیام عمل میں آیا۔

۲۴ر اکتوبر ۱۹۵۴ء سے مولانا عبدالعزیز میمنی کی تقرری سے ادارے کا باقاعدہ آغاز ہوا۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ابھی تک ادارے کے اغراض و مقاصد کی باقاعدہ نشاندہی نہیں ہوئی تھی۔ اس کا اظہار مولانا میمنی کے اس انٹرویو سے ہوتا ہے جو انہوں نے "اخبارِ جہاں" کو ۱۹۷۰ء میں دیا۔

مولانا میمنی کے نزدیک ادارے کا ان مسائل سے کوئی واسطہ نہیں ہونا چاہیئے تھا۔ جو دورِ جدید کی پیداوار تھے اور مناسب حل موجود نہ ہونے کی وجہ سے نئی نسل کے ذہنوں کو پریشان کر رہے تھے۔ وہ اسے خالص علمی و تحقیقی ادارہ بنانا چاہتے تھے۔ ایسا ادارہ جو روزمرّہ کے مسائل سے الگ رہ کر کام کرے۔ یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ ایسا ادارہ علم و فضل کا مخزن ضرور ہوتا لیکن اس کا ان اغراض و مقاصد سے کوئی تعلق نہ ہوتا جن کے لئے دستور ساز اسمبلی نے اس کے قیام کی سفارش کی تھی۔

تحقیقات اور اعلیٰ تعلیم میں رہنمائی

(۱۹۵۶ء — ۱۹۵۹ء)

بنیادی اصولوں کی کمیٹی نے یکے بعد دیگرے آئین کے چار ڈرافٹ پیش کئے۔ اسلامی دفعات کے سلسلے میں علماء اپنے اختلاف کا اظہار کرتے رہے۔ آخر چوتھا ڈرافٹ بعض ترامیم کے ساتھ منظور ہو گیا اور یہی اسلامی جمہوریہ پاکستان کا پہلا آئین بنا۔ چوتھے ڈرافٹ پر تقریر میں وزیرِ قانون جناب چندریگر نے ۹ جنوری ۱۹۵۶ء کو ادارے کے قیام کی دفعہ پیش کرتے ہوئے کہا۔

> "بنیادی اصولوں کی کمیٹی نے پیرا ۲۰ میں تجویز کیا تھا کہ اسلامی تعلیمات کی نشرواشاعت اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے لئے ایک تنظیم قائم کی جائے گی۔ ہم نے اس کی جگہ اس سے بہتر دفعہ (دشق نمبر ۲۰۴) دی ہے جو مندرجہ ذیل ہے:
>
> ا۔ صدر ایک تنظیم قائم کرے گا جسے ادارۂ اسلامی تحقیقات و ہدایت برائے اعلیٰ تعلیم کہا جائے گا۔ جو مسلم معاشرے کی صحیح اسلامی خطوط پر تشکیلِ نو میں مدد کرے گا۔"
>
> ب۔ اس کے اخراجات پورے کرنے کے لئے پارلیمنٹ قانون کے ذریعے مسلمانوں پر خصوصی ٹیکس عائد کرے گی۔
>
> یہ ایک ایسی دفعہ ہے جس سے کسی کو اختلاف نہیں ہو سکتا اور یہ گزشتہ دفعہ سے

کہیں بہتر ہے۔"

یہی دفعہ آئین ۱۹۵۶ء میں بغیر کسی ترمیم کے دفعہ ۱۹۷ کے طور پر شامل کر لی گئی۔ اس ضمن میں یہ بات قابلِ توجہ تھی کہ ادارے کے قیام کی غرض و غایت پہلے جس اصول سے وابستہ تھی۔ یعنی اسلامی تعلیمات اور تقاضوں کے مطابق مسلمانوں کو زندگی گزارنے کے قابل بنانا اور جو ادارے کے قیام کی دفعہ کے ساتھ ہی مذکور ہوتی تھی اب اسے الگ کر دیا گیا۔

ایک اور دفعہ (۱۹۸) کے تحت اسلامی قانون کی تیاری اور سفارشات کے لئے کمیشن کا قیام طے پایا لیکن اس کا بھی ادارۂ تحقیقاتِ اسلامی سے براہِ راست تعلق نہیں رکھا گیا۔

اسلام کی تعبیر اور معاشرے کی تشکیلِ جدید

(۱۹۶۰ء — ۱۹۶۱ء)

ابھی تک ادارہ ایک عارضی تنظیم کے طور پر کام کر رہا تھا۔ ۱۹۶۰ء میں اسے باقاعدہ ادارے کی حیثیت سے قائم کیا گیا۔ اس کا رسمی اعلامیہ ۱۰ مارچ ۱۹۶۰ء کو جاری کیا گیا۔ اس کے انتظام اور نگرانی کے لئے باقاعدہ بورڈ آف گورنرز کے ارکان کی نامزدگی ہوئی۔ ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی کو اس کا ڈائرکٹر مقرر کیا گیا۔ جولائی ۱۹۶۰ء میں بورڈ آف گورنرز کے پہلے اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے بورڈ کے چیئرمین وزیرِ تعلیم جناب حبیب الرحمٰن نے ادارے کے مقاصد کی یوں وضاحت کی:

> "ادارے کا اہم ترین کام یہ ہے کہ وہ اسلام کی تعبیر اس انداز سے پیش کرے کہ یہ ایک ایسا نظریۂ حیات ثابت ہو سکے جو موجودہ دور کے چیلنج کا سامنا کر سکے اور موجودہ سائنسی دَور کے تقاضوں سے عہدہ برآ ہو سکے۔
>
> ادارے کی یہ بہت بڑی خدمت ہوگی کہ وہ اسلامی تعلیمات کو عقلی، قابلِ فہم اور لبرل انداز میں پیش کر سکے۔"

دراصل یہ تاریخِ پاکستان کا وہ دَور تھا جب ایک نیا صنعتی معاشرہ پاکستان میں مستحکم ہو رہا تھا۔ زیادہ سے زیادہ پیداوار پر زور تھا اور اس کے نتیجے میں ایک درمیانہ طبقہ پیدا ہو رہا تھا جو چاہتا تھا کہ ان کے اقتصادی مفادات کو اسلام کی حمایت حاصل ہو جائے۔ ان کے مسائل میں سے بنک کے سُود اور آزاد سرمایہ کاری وغیرہ کے جواز کے مسائل تھے۔ ان تقاضوں کے زیرِ اثر پاکستان کی معاشرت

کا اب ان مسائل سے جیتے جاگتے روپ میں سامنا ہو رہا تھا جو ابھی تک موہوم چلے آ رہے تھے اور عوام انہیں دانشوروں کے ذہنوں کی اختراع سے زیادہ حیثیت دینے کے لئے تیار نہیں تھے۔ چنانچہ اسی کا نتیجہ تھا کہ اسلامی تحقیقات کے ادارے سے توقعات مختلف بھی تھیں وسیع اور شدید بھی۔

اس ادارے کا جو رسمی اعلامیہ وزارتِ تعلیم کی طرف سے جاری ہوا اس میں ان کے مقاصد کی نشاندہی انہی توقعات کے پیشِ نظر کی گئی تھی۔ اس اعلامیے میں کہا گیا کہ:

> "اسلام پر تحقیقات کو منظم شکل دینے کے لئے اور موجودہ دور میں اسلام کی عقلی اور سائنٹیفک تعبیر کے لئے اور تاریخ، فلسفہ، سائنس اور ثقافت کے میدانوں میں مسلمانوں کے کارناموں سے روشناس کرانے کے لئے صدرِ مملکت مرکزی ادارۂ تحقیقات اسلامی کے قیام کا اعلان کرتے ہیں۔"

چار مقاصد

ان تحقیقات کے رہنما اصول کیا ہوں گے۔ ان کی نشاندہی بھی اس اعلامیے میں کی گئی تھی۔

۱- "اسلام کی مبادیات کی تعریف (وتحدید) عقلی اور توسع پسندانہ (لبرل) انداز سے کی جائے اور دوسری باتوں کے علاوہ عالمگیر اخوّت، رواداری اور سماجی انصاف کی اسلامی اقدار پر خصوصی زور دیا جائے۔

۲- اسلامی تعلیمات کی تعبیر اس طرح کی جائے کہ دورِ جدید میں علمی اور عقلی ترقیوں کے سیاق میں اسلام کی حرکت و حرارت کی خصوصیات اُبھر کر سامنے آئیں۔

۳- فکر، سائنس اور ثقافت کے میدانوں میں اسلام نے جو حصّہ لیا ہے اس پر تحقیقات کی جائیں تاکہ مسلمان ان میدانوں میں دوبارہ نمایاں مقام حاصل کرنے کے قابل ہو جائیں۔

۴- اسلامی تاریخ، فلسفہ، قانون اور اصولِ قانون (جیورسپروڈنس) وغیرہ میں باقاعدہ تحقیقات کی تنظیم اور حوصلہ افزائی کے لئے مناسب اقدامات کئے جائیں۔"

ان اصولوں کی نشاندہی سے ادارے کے مقاصد خاصی حد تک واضح ہو گئے۔ چنانچہ یہ چار اصول ادارے کے بعد کے تمام منصوبوں اور پالیسیوں کے لئے بنیادی خطوط کی حیثیت سے کارفرما رہے ہیں۔ تاہم ادارے میں ان مقاصد کے تحت تحقیقاتی منصوبوں کی تیاری میں کافی دیر لگی۔ اور بعد

کے تجربات اور عملی مشکلات سے یہ محسوس ہونے لگا کہ اصولوں کی اس نشاندہی میں خوش فہمی اور تخیل پسندی سے زیادہ کام لیا گیا تھا۔

مسلم معاشرے کی اسلامی خطوط پر تشکیلِ نو

(۱۹۶۲ء — ۱۹۶۶ء)

آئین ۱۹۶۲ء

۱۹۶۲ء کے آئین کی دفعہ ۲۰۷، ۱۹۵۶ء کے آئین کی دفعہ ۱۹۷ سے مختلف نہیں تھی۔ اس میں بھی "ادارے کا کام اسلامی تحقیقات اور اسلام کے بارے میں تعلیم و ہدایات کا اجراء" تھا تاکہ "مسلم معاشرے کی صحیح اسلامی بنیادوں پر تشکیلِ نو میں مدد مل سکے"۔

۱۹۵۶ء کے آئین کی طرح اس میں بھی ادارے کا دوسری اسلامی آئینی تنظیموں مثلاً اسلامی نظریاتی کونسل وغیرہ سے تعلق کا ذکر نہیں تھا۔ البتہ آئین کو پیش کرتے ہوئے صدرِ مملکت نے ادارے کے اسلامی نظریاتی کونسل سے بالواسطہ تعلق کی وضاحت کی تھی کہ:

> "اِس آئین میں ایک دفعہ کے ذریعے اسلامی نظریاتی مشاورتی کونسل قائم کی گئی تاکہ مسلمانوں کو اسلامی تعلیمات کے مطابق زندگی گزارنے میں مدد دی جائے۔ یہ ادارہ دینیات، قانون، معاشیات اور انتظامی امور کے ماہرین سے تشکیل دیا جائے گا اور ادارۂ تحقیقاتِ اسلامی اس کی مدد کرے گا۔"

اس طرح قدرتی طور پر ادارہ میں تحقیقات کی زیادہ تر توجہ اسلامی قانون اور متعلقہ موضوعات کی طرف مبذول ہوگئی۔ پاکستانی معاشرے کی اسلامی بنیادوں پر تشکیلِ نو کے لئے اسلامی قانون کی تدوین اور تنفیذ کا مسئلہ اولیت کا مستحق تھا۔ تاہم دوسرے شعبوں کو بھی نظر انداز نہیں کیا گیا۔

محققین کی تربیت

آئینی کمیشن کی رپورٹ میں اس اسلامی مواد کے دوسری زبانوں میں ہونے اور صحیح تربیت یافتہ محققین کی کمی کی نشاندہی کی گئی تھی۔ اس لئے ادارے نے محققین کی تربیت کے لئے ایک بہت بڑا منصوبہ تیار کیا۔ اس میں ایک تو محققین کو اسلامی زبانوں کے ساتھ ساتھ جدید زبانوں میں تعلیم دی جانی تھی اور دوسری جانب اسلامی علوم اور جدید علوم سے آگاہی فراہم کرنا مقصود تھا۔

ادارۂ تحقیقاتِ اسلامی کے ایک کتابچے (مجریہ ۱۹۶۳ء) میں تربیت کے اس پروگرام کا

تعارف ان الفاظ میں کرایا گیا :-

"ادارے کی ذمہ داری علمی بھی ہے، اخلاقی بھی۔ ادارے کا مقصد اسلام کی ماضی کی روایات کا جامع مطالعہ بھی ہے اور دورِ جدید کے سیاق و سباق میں اس کی تفہیم و تعبیر کی کوشش بھی۔ یہ مطالعہ خالص علمی اور معروضی انداز سے ہونا چاہیئے۔ تاہم بے مقصد اور بے لگاؤ قسم کی تحقیق مقصود نہیں۔ بلکہ اس تحقیق و مطالعے سے اپنی ذاتی اور معاشرتی زندگی کے لئے سبق حاصل کرنا مقصود ہے۔ سائنسی تفتیش اور دینی عقائد میں تضاد کی تلاش کی بجائے ہم آہنگی مطمحِ نظر ہونا چاہیئے۔ چنانچہ اس طرح مسلمان کے قدم اس کے ماضی کی سرزمین پر ہیں تو اس کی نظریں مستقبل کی طرف ہیں۔ اور اس کے ہاتھ آج کی زندگی کو کل کے تقاضوں کو سامنے رکھتے ہوئے ماضی کی مثالی اقدار کی روشنی میں ڈھالنے میں مصروف ہیں۔ ان مقاصد کے حصول کے لئے پہلی ضرورت اس بات کی ہے کہ اس قسم کے تحقیق و مطالعے کے لئے باقاعدہ تربیت دی جائے تاکہ ایسے عالم تیار ہوسکیں جو تاریخِ اسلام کے ان تمام پہلوؤں سے واقف ہوں۔ یہ لوگ پھر علمی مقالوں، رسالوں اور کتابوں کی صورت میں اپنی تحقیقات کے نتائج پیش کریں۔"

تربیت کے لئے جو نصاب مرتب کیا گیا وہ بے حد جامع تھا۔ نصاب کی تشکیل سے ادارے کے اغراض و مقاصد کی نشان دہی کے رُخ کا پتہ ضرور چلتا ہے۔ اس نصاب سے معلوم ہوتا ہے کہ تحقیقات اور تعلیمات میں جہاں اسلام کی فکری، سیاسی اور سماجی تاریخ کا تجزیاتی مطالعہ پیشِ نظر تھا وہاں اس تجزیے کے رہنما اصول دورِ جدید کے علوم و تجربات سے اخذ کردہ تھے۔ اور اس طرح پاکستانی معاشرہ کی اسلامی خطوط پر تشکیلِ نو کا مطلب زندگی کے بارے میں مروّجہ اسلامی تصوّرات و نظریات کی تشکیلِ نَو تھی۔ یہ بات اس منصوبے سے اور واضح ہوتی ہے جو تحقیقات کا خاکہ تیار کرنے کے لئے ماسٹر پلان کے نام سے پیش کیا گیا۔

ماسٹر پلان

(۱۹۶۶ء — ۱۹۷۳ء)

یہ ماسٹر پلان ۱۹۶۶ء میں تیار ہوا۔ ۱۹۶۷ء میں بورڈ سے منظور ہوا۔ اس کے مطابق ادارے میں تحقیقات کے منصوبوں کو دو قسموں میں شمار کیا گیا۔ (۱) اجتماعی منصوبے (۲) انفرادی منصوبے۔

انفرادی منصوبوں سے مراد وہ تحقیقاتی کام ہیں جو ادارے کے محققین نے اپنی پسند اور ترجیحات کی بنیاد پر اپنے لئے منتخب کئے ہوں۔ اجتماعی منصوبوں سے مراد وہ تحقیقاتی پروگرام ہیں جو کئی محققین مل کر ٹیم کی صورت میں کریں گے۔

ماسٹر پلان میں تحقیقات کے کئی شعبے متعین کئے گئے۔ جس میں تاریخ، فلسفہ، سائنس اور دورِ جدید کی تحریکات وغیرہ کے الگ الگ شعبے رکھے گئے۔

ان شعبوں کے موضوعات کے تفصیلی خاکے تیار کئے گئے جن کے مطابق تحقیقات کی جائیں ماسٹر پلان پر عمل کے لئے تین ٹیمیں بنائی گئیں۔ ایک کے ذمے زمانہ قبل اسلام کے عربوں کی سماجی، سیاسی اور اقتصادی زندگی پر تحقیق تھی۔ دوسری ٹیم کے ذمے اسلام اور عہدِ جدید اور مختلف اصلاحی تحریکات کا تحقیقاتی مطالعہ۔ اور تیسری کے ذمے قرآن اور سنت کی سماجی اور اقتصادی اصلاحات کا جائزہ تھا۔

تربیتی پروگرام کی طرح ماسٹر پلان بھی مشکلات کا شکار ہوا۔ عملاً انفرادی تحقیقاتی منصوبے زیادہ کامیابی سے چلتے رہے جبکہ اجتماعی تحقیقاتی منصوبے کامیاب نہیں رہے! اجتماعی منصوبوں کو کامیابی سے چلانے کے لئے ان شعبوں میں باقاعدہ تربیت یافتہ محققین کی ضرورت تھی جو دستیاب نہیں تھے اس کے علاوہ تربیتی پروگرام کی طرح اس پلان کی بنیاد بھی عملی پہلوؤں کو نظر انداز کر کے زیادہ تر خوش فہمیوں پر رکھی گئی تھی۔ ضرورت اس امر کی تھی کہ اسے ایک خاکے کی حیثیت دی جاتی اور بعد میں تجربات کی روشنی میں اس پر مسلسل نظرِ ثانی کر کے اسے قابلِ عمل بنایا جاتا۔

۱۹۷۲ء کے عبوری آئین میں ادارے کی قیام والی دفعہ ۲۵۹ کے طور پر شامل تھی جو ۱۹۵۶ء کے آئین کی ۱۹۷ اور ۱۹۶۲ء کے آئین کی دفعہ ۲۰۷ سے کسی طرح سے مختلف نہیں تھی۔ البتہ ۱۹۷۳ء کے آئین میں یہ دفعہ ختم کر دی گئی۔ تاہم مصالحتی آئین کی تجویز کے برخلاف اسلامی نظریاتی کونسل کی دفعہ برقرار رکھی گئی۔ اسی طرح آئین ۱۹۷۳ء کے ابتدائیے میں وہ جملہ بھی برقرار ہے جس کی تکمیل کے لئے ادارہ کے قیام کی تجویز ہوئی تھی وہ جملہ یوں ہے:

"مسلمانوں کو اس قابل بنایا جائے گا کہ وہ انفرادی اور اجتماعی دائروں میں اپنی زندگیاں قرآن و سنت میں بیان شدہ اسلام کی تعلیمات اور تقاضوں کے مطابق گزار سکیں۔"

تحقیقاتِ اسلامی کا عصبی مرکز

(۱۹۷۴ء)

نئے آئین میں ادارے کی دفعہ کے عدم شمول سے یہ بات معلوم ہوتی تھی کہ اب ادارے کا مقصد خالص تحقیق ہوگا۔ اور اعلیٰ تعلیمی اداروں کی اسلامی امور میں رہنمائی اور معاشرے کی اسلامی خطوط پر تشکیلِ نو میں مدد ادارے کی براہِ راست ذمّہ داری نہیں تھی، اگرچہ وہ اپنی تحقیقات کے ذریعے بالواسطہ اور ضمنی طور پر یہ مقصد سرانجام دیتا رہے گا، تاہم تحقیقات کو بامقصد بنانے کے لئے اور ملک میں اسلام کے بارے میں تحقیقی سرگرمیوں کو منظم اور ہم آہنگ رکھنے کے لئے ادارہ عصبی مرکز کا کام کرے گا۔ اس کی وضاحت ۱۹۷۴ء میں بورڈ آف گورنرز کے چیئرمین جناب عبدالحفیظ پیرزادہ صاحب کے بیان سے ہوتی ہے۔ ۱۰ر جون ۱۹۷۴ء کو اعلان کیا گیا کہ:

> "ادارۂ تحقیقات اسلامی، اس سے منسلک اداروں اور پاکستانی یونیورسٹیوں کے شعبہ ہائے اسلامیات کی تحقیقات کو ہم آہنگ کرنے کے لئے ایک مجلس باضابطہ طور پر تشکیل دی جائے گی۔ اس کا مقصد یہ ہوگا کہ تحقیقات میں تکرار اور اعادے کے امکان کو دُور کیا جائے اور تحقیقاتی منصوبوں کو ملکی ضروریات کے ہم آہنگ بنایا جائے۔
>
> ادارۂ تحقیقاتِ اسلامی ملک میں اسلامی تحقیقات کا عصبی مرکز ہوگا۔ یہ مخصوص قسم کے اداروں اور آئینی تنظیموں مثلاً اسلامی نظریاتی کونسل کی تحقیقاتی ضرورتوں کو پورا کرے گا۔ ادارے کی تحقیقات تخلیقی ہونگی اور ملکی ضروریات اور تقاضوں سے بالخصوص اور مسلم دنیا کے مسائل سے بالعموم مطابقت رکھیں گی۔"

یہ تجاویز عملی صورت اختیار نہ کر سکیں۔ البتہ ادارے کا اسلامی نظریاتی کونسل سے براہِ راست رابطہ واضح ہوگیا لیکن یہاں بھی تحقیق میں مدد کی حد تک۔

تحقیق کے اہداف کا تعیّن

(۱۹۷۵ء — ۱۹۷۶ء)

۱۹۷۴ء کے اواخر میں وزارتِ امورِ مذہبیہ کا قیام عمل میں آیا اور ادارۂ تحقیقاتِ اسلامی جو اب تک کبھی وزارتِ تعلیم اور کبھی وزارتِ قانون سے منسلک رہا تھا، آخرکار وزارتِ مذہبی امور سے متعلق ہوگیا،

جو مناسب ترین تھی۔ ان مختلف وزارتوں سے وابستگی ادارے کے مقاصد کی بھی کسی حد تک نشان دہی کرتی تھی۔ ادارہ جس وزارت سے متعلق ہوتا اس سے اس کی تحقیقات کے منصوبوں میں ترجیحات پر بھی اثر پڑتا تھا۔ چنانچہ اس کے مقاصد کا ہدف کبھی تحقیقی و تعلیمی ہوتا، کبھی اطلاعات و معلومات اور کبھی قانونی تحقیقات۔ لیکن جیسا کہ ہم دیکھ چکے ہیں یہ ہدف یا تو بے حد تصوراتی تھے یا ایسے تھے جن کا سنجیدہ تحقیق و مطالعہ سے تعلق کم تھا۔

وزیرِ مذہبی امور و چیئرمین ادارہ مولانا کوثر نیازی نے ۲۴ر جنوری ۱۹۷۵ء کو ادارے میں تقریر کے دوران ادارے کی کارکردگی کا تجزیہ کرتے ہوئے ان خامیوں کی نشاندہی کی جن کی وجہ سے ادارہ اپنا صحیح مقام حاصل کرنے میں ناکام رہا تھا۔ ان میں سے دو بڑی خامیاں تھیں۔ ایک تو یہ تھی کہ پاکستان میں اس ادارے کی افادیّت کو محسوس نہیں کرایا گیا۔ دوسری کمی یہ تھی کہ تحقیق کے ہدف متعین نہیں کئے گئے۔ مولانا نے اس کی وضاحت کرتے ہوئے کہا:

> "اُس ادارے کا بنیادی فنکشن (مقصد) ریسرچ ہے لیکن ریسرچ کے کچھ خاص ہدف متعین ہونے چاہئیں۔ ریسرچ ایک وسیع ٹرم (اصطلاح) ہے اور اگر اس کے مخصوص اہداف معین نہ ہوں تو ساری زندگی کھپ جائے گی اور کوئی نتیجہ برآمد نہیں ہو سکے گا۔"

ادارے میں علمی اور دینی موضوعات پر ریسرچ کے لئے مولانا نے تین اہداف کا تعیّن کیا:

اوّل یہ کہ وہ مسائل جو آج عالمِ انسانی کو درپیش ہیں ان مسائل کا حل اسلام کیا پیش کرتا ہے، اس میں تقابلی مطالعہ بھی ہو، ان مسائل کو پہلے معیّن اور مشخّص کیا جائے اور اس کے بعد ان موضوعات پر ہم مختلف زبانوں میں لٹریچر تیار کریں جو بلا امتیازِ مذہب ہر پڑھے لکھے انسان کو جو اس دنیا میں رہتا ہے ہم پیش کرنے کے قابل ہو سکیں۔"

"دوسرا موضوع یہ ہے کہ وہ مسائل جن کا سامنا خاص طور پر عالمِ اسلام کو ہے اور جدید تہذیب اور تمدّن کے بطن سے جو مسائل پیدا ہوئے ہیں ان میں ریسرچ کی جائے۔"

"تیسرا ایک شعبہ جس میں اس ادارے کو کام کرنے کی ضرورت ہے، ہر چند کہ اس کا تعلق ریسرچ سے نہیں، وہ یہ ہے کہ ہمارے ہاں مذہب کو غلط تصوّرات اور اوہام کا اسیر بنا دیا گیا ہے بہت

سے زوائد کے بوجھ اس پہ لاد دیئے گئے ہیں، اور نوجوان نسل کو کانسالیڈٹیڈ فارم (ٹھوس اور مرتّبہ شکل) میں اگر یہ بتانا ہو کہ دین کیا ہے تو ایسا لٹریچر موجود نہیں جو اس کے ذہنی شکوک کا ازالہ بھی کر سکے اور اس کے ذہن میں جو سوالات ہیں ان کا جواب بھی دے سکے۔ ہمارے ادارے کا ایک شعبہ ایسا بھی ہو جو ایسا لٹریچر تیار کرے جس میں ہم اسلام کو نوجوان نسل کیلئے قابلِ قبول بنا کر پیش کریں۔"

ادارے میں تحقیق کے اغراض و مقاصد کی نشاندہی میں اس بیان سے نہ صرف یہ وضاحت ہوتی ہے کہ ادارے کا بنیادی مقصد تحقیق اور اس کے نتائج کو معاشرے کے سامنے پیش کرنا ہے بلکہ اس بات کا بھی اعادہ کیا گیا ہے کہ یہ تحقیق پیشہ ورانہ بے تعلقی کے ساتھ نہیں بلکہ مقصدیت اور ذمہ داری کے ساتھ کی جائے گی۔

نتائج بحث

اوپر کی بحث سے ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ اگرچہ مختلف ادوار میں ادارے میں تحقیقات کے موضوعات کے بارے میں باتیں ہوتی رہی تھیں لیکن ایک بات کی وضاحت تشنہ تھی اور اتفاق سے یہی بات تحقیق اور تصنیف کی پیش کش میں بنیادی ہوتی ہے وہ یہ کہ اس کے مخاطب کون لوگ ہیں؟ ادارے کی تحقیقات اور تصنیفات کے مخاطب بیک وقت کئی لوگ تھے جب تک ان کے مدارج کا تعین نہیں ہوتا، تحقیق کے اغراض و مقاصد میں ابہام باقی رہنا لازمی تھا۔ اس سے پہلے تحقیق کے موضوعات اور تحقیق کے رہنما اصولوں کی طرف تو توجہ رہی لیکن اس وضاحت کی ضرورت نہ سمجھی گئی کہ مخاطبین کے لحاظ سے بھی تحقیق کی درجہ بندی کر دی جائے چنانچہ مولانا کے بیان سے یہ کمی پوری ہو جاتی ہے۔ اس کی روشنی میں ایسے موضوعات کے بارے میں لکھتے وقت جو عالمی حیثیت رکھتے ہیں ہمیں یہ بات ذہن میں رکھنی ہو گی کہ اس کے مخاطب صرف پاکستانی اور عالم اسلام کے باشندے نہیں بلکہ تمام دنیا کے لوگ ہیں۔ اسی طرح ہم دَورِ جدید کے تقاضوں اور نئے مسائل کی بات تو کرتے تھے لیکن جو لوگ ان مسائل سے دوچار ہیں ان کا تعین نہیں کر پاتے تھے۔ مولانا نے اس سلسلے میں نوجوان نسل کی طرف اشارہ کر کے انہیں مشخّص کر دیا ہے۔

اہداف کے تعین سے ایک بہت بڑی کمی پوری ہو جاتی ہے۔ لیکن اب ضرورت اس بات کی ہے کہ ان تینوں سطحوں پہ مسائل کی جلد از جلد تشخیص کی جائے۔ اس سلسلے میں سب سے بنیادی مسئلہ جو

درپیش آئے گا وہ منہجِ تحقیق کا ہے اور یہ بہت ہی اہم مسئلہ ہے۔ ظاہر ہے کہ ان تینوں سطحوں میں ہر سطح پر مخاطب مختلف ہیں اس لئے ہر ایک میں دلائل کی پیش کش کا انداز مختلف ہوگا اور اس کے لحاظ سے تحقیق کے طریقِ کار میں بھی فرق ہوگا۔ چنانچہ منہجِ تحقیق کا تعین بے حد ضروری ہے۔ منہجِ تحقیق کے تعین میں دو طرح کے مسائل سامنے آتے ہیں :۔

۱ - طریقِ تحقیق و تفتیش کا تعین : استدلال کے طریقے کیا ہوں گے، دلائل کو پیش کرنے کی صورت کیا ہوگی؟ حوالہ جات کا اندراج کیسے ہوگا وغیرہ وغیرہ۔ ان مسائل پر پاکستان کے مختلف اداروں میں کام ہو رہا ہے اور اکثر جگہ قواعد و ضوابط کسی حد تک طے پا چکے ہیں۔ انہیں باقاعدہ منضبط کر لیا جائے اور پھر پاکستان بھر کے علما کے جو تحقیقاتِ اسلامی سے متعلق ہیں اجلاس بلا کر انہیں آخری شکل دے لی جائے تاکہ پاکستان میں ہر جگہ ان کی پابندی ہو اور تحقیقات میں یکسانی و ہم آہنگی پیدا ہو جائے۔

۲ - دوسرا مسئلہ جو بے حد اہم ہے اور جس کا ادارے کے اغراض و مقاصد اور اس کے تحقیقاتی اہداف سے گہرا تعلق ہے وہ ان مبادیات کا تعین ہے جو تحقیقات کی بنیاد ہوتے ہیں۔ پھر انہی کی روشنی میں تحقیقات کے منصوبے تیار ہوں اور موضوعات کا تعین ہو۔ ان اصولوں کا تعین کسی حد تک چار مقاصد کے تحت ہو چکا ہے لیکن ان کی نشاندہی میں مرکزی حیثیت پاکستانی معاشرے کی تشکیلِ نو کو دی گئی ہے۔ جیسا کہ اہداف کے تعین میں اس کی وضاحت کی گئی ہے عالمِ اسلام اور عالمِ انسانی بھی ادارے کی تحقیقات کے دائرۂ کار میں شامل ہیں۔ اس لئے اب ان اصولوں کا نئے سرے سے تعین کیا جانا ضروری ہے۔ جہاں تک عالمِ انسانی کے لئے تحقیقات کے منصوبے تیار کرنے کا سوال ہے۔ لازمی طور پر ان کی پیش کش کا انداز خالصتاً علمی ہوگا اور اس کے مسلمات، اور مبادیات اور طریقِ استدلال بھی ایسے ہوں گے جو کسی خاص خطۂ ارضی یا عقائدِ دینی کو سامنے رکھ کر اختیار نہ کئے گئے ہوں۔ موضوعات کے تعین میں اقوامِ متحدہ کے مختلف اداروں مثلاً یونیسکو وغیرہ کے پروگرام اور منصوبوں سے مدد لی جا سکتی ہے۔ یہ ادارے دنیا کو پیش آنے والے مسائل پر وقتاً فوقتاً تحقیقات کرتے رہتے ہیں اور ان مسائل پر اسلامی نقطۂ نظر پیش کر کے ہم بجا طور پر عالمِ انسانی کی بہت بڑی خدمت انجام دے سکتے ہیں۔

پاکستانی معاشرے کی تشکیلِ نَو کے سلسلے میں تحقیقات کے لئے البتہ دو بنیادی مطالعوں کی ضرورت ہے۔ ایک تو پاکستانی معاشرے کے باقاعدہ تاریخی و تشکیلی تجزیے کی ضرورت ہے تاکہ اس کے اصلی مسائل اور ان کے پیدا ہونے کی وجوہات کا صحیح طور پہ اندازہ ہو سکے۔ دوسرے اسلامی تاریخ میں مختلف ادوار میں اسلامی معاشرہ تغیر و تبدّل کے جن ادوار سے گزرا اس کے تفصیلی تجزیے کی بھی ضرورت ہے تاکہ یہ معلوم کیا جا سکے کہ جب ہمارے اسلاف معاشرتی تغیر و تبدل کے ایسے ہی مسائل سے دوچار ہوئے تو انہوں نے ان کو کیسے حل کیا اور قرآن و سنّت اور اسلامی روایات سے انہوں نے اصول کیسے اخذ کئے۔ اس تجزیے کا مقصد دراصل اسلامی تعلیمات کے نفاذ اور اسلامی روایات کی تعبیر کے لئے منہج تحقیق متعیّن کرنے کے لئے رہنما اصولوں کی تلاش ہے۔

محوّلہ بالا ان دو قسم کے تجزیوں کے بعد ہی دراصل ہم اس قابل ہوں گے کہ آج کے پیش آمدہ مسائل پر ایسی تحقیقات پیش کر سکیں جو ایک طرف تو اپنے معاشرے کے گہرے مطالعے اور مسائل کی اصل سے واقفیت پر مبنی ہوں اور دوسری طرف ہمارے ماضی اور اسلامی روایات سے ہم آہنگ ہونے کی بنا پہ ہماری تاریخ سے ہمارا رشتہ وابستہ رکھیں ۔

* * *